عاکف اور اقبال

ثروت صولت

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر اپنے مضمون "کلام اقبال کے عربی تراجم" میں لکھتے ہیں کہ "عرب کے علمی حلقوں میں دو غیر عرب مسلمان شاعروں کے کلام اور فکر و فن کا بڑا چرچا ہے اور ان دونوں کو "شاعرِ اسلام" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان میں سے ایک تو حکیم الامّت علاّمہ اقبال ہیں اور دوسرے ترکی کے مسلمان شاعر محمّد عاکف آفندی"۔ [1]

ڈاکٹر اظہر نے مذکورہ بالا تحریر میں ایک ایسے پہلو کی نشاندہی کی ہے جس کی طرف "اقبالیات" کے موضوع پر تحقیق کرنے والوں نے ابھی تک کوئی توجّہ نہیں کی۔ راقم الحروف بھی محمد عاکف سے متعلق اپنے ایک مضمون مطبوعہ "المعارف" لاہور بابت جنوری و فروری ۱۹۷۴ء میں اس کی طرف اشارہ کر چکا ہے۔ گزشتہ دنوں جب مجھے اس بارے میں کئی نئی معلومات حاصل ہوئیں اور عاکف کے مجموعۂ کلام "صفحات" کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا تو یہ خیال اور بھی پختہ ہو گیا کہ اقبال اور عاکف ایک ہی روح کے دو مادی پیکر ہیں۔ اور ان کے درمیان غیر معمولی مشابہت ہے اور یہ مشابہت ظاہر میں بھی ہے اور باطن میں بھی۔ اسلامی دنیا میں کوئی دوسرا شاعر اقبال سے اتنا مشابہ نہیں جتنے مشابہ عاکف ہیں۔

اقبال نے اپنی نظم "مرزا غالب" میں گوئٹے کو غالب کا ہمنوا قرار دیتے ہوئے کہا تھا:

آہ تو اُجڑی ہوئی دلّی میں آرامیدہ ہے
گلشنِ ویمر میں تیرا ہمنوا خوابیدہ ہے

یہی بات اقبال اور عاکف کے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے اور زیادہ بہتر طور پر۔ غالب

جرمن شاعر گوئٹے کے اتنے قریبی ہمعصر نہیں تھے جتنے اقبال ترک شاعر محمد عاکف کے ہمعصر تھے اگر ہم اقبال کی معروف تاریخ پیدائش کو صحیح تسلیم کریں تو عاکف اور اقبال ایک ہی سال پیدا ہوئے تھے اور ان دونوں کی وفات کے درمیان بھی صرف ایک سال چار ماہ کا فرق ہے۔ عاکف ایک ایسے شہر میں آسودۂ خاک ہیں جس کو خود اقبال نے ملّتِ اسلامیہ کا دل کہا ہے اور اقبال ایک ایسے شہر میں آسودۂ خاک ہیں جو پاکستان کا قلب سمجھا جاتا ہے

اقبال ترکی کے اہلِ فکر حضرات میں سے سعید حلیم پاشا اور ضیا گوک الپ کے خیالات سے بڑی حد تک واقف تھے اور ان کے بارے میں اپنی تحریروں اور اشعار میں اظہارِ رائے بھی کیا ہے لیکن میری معلومات کی حد تک عاکف سے واقف نہیں تھے۔ زبان کی اجنبیت کے علاوہ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ عاکف کو خلافت عثمانیہ کے زمانے تک قبول عام حاصل نہیں ہوا تھا اور جب ان کو قبول عام حاصل ہوا تو ترکی اور برصغیر کے مسلمانوں کے درمیان وہ قریبی تعلق ختم ہو چکا تھا جو تحریکِ خلافت اور اس کے قریبی زمانے میں قائم ہو گیا تھا۔ لیکن اس ساری داستان میں جو چیز دلچسپ ہے وہ یہ ہے کہ اگرچہ اقبالؔ اپنے ہم نوا عاکف سے واقف نہیں تھے لیکن عاکف اقبال سے ان کے فارسی کلام کی وساطت سے واقف بھی تھے اور ان کو اپنا ہمنوا بھی سمجھتے تھے۔ اقبالیات سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے یہ بات بڑی اہم ہے کہ عرب دنیا میں اقبال کو روشناس کرانے میں جن شخصیتوں نے حصّہ لیا ان میں ایک عاکف بھی تھے۔ اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اقبال اور عاکف کے افکار کی یکسانیت پر نظر ڈالنے سے پہلے عاکف کے حالاتِ زندگی کا بھی ایک مختصر جائزہ لے لیں۔ کیونکہ ان دونوں شاعروں میں صرف خیالات کی معنوی ہم آہنگی ہی نہیں ہے بلکہ ان کے حالات اور سیرت میں بھی بہت کچھ ظاہری مماثلت پائی جاتی ہے۔

محمد عاکف ۱۸۷۳ء میں استانبول میں پیدا ہوئے جو اس وقت تک قسطنطنیہ کہلاتا تھا۔ جدید طرز کے رشدیہ اور ملکیہ مدرسوں میں تعلیم کے بعد انھوں نے علم بیطاری کے مدرسہ میں داخلہ لیا جہاں سے انھوں نے ۱۸۹۴ء میں اوّل درجہ میں امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد انھوں نے محکمۂ زراعت میں ملازمت کر لی جس کے دوران ان کو مویشیوں کے معالج کی حیثیت سے ایشیائے کوچک اور خلافت عثمانیہ کے یورپی حصّوں کی سیر کا موقع بھی ملا۔ ۱۹۱۳ء میں انھوں نے یہ ملازمت

ترک کر دی۔ زندگی کا باقی حصّہ انھوں نے درس و تدریس، مضمون نگاری اور لعض عارضی سرکاری فرائض کی انجام دہی میں گزارا اور اس سلسلے میں جرمنی، شام، لبنان، عرب اور مصر بھی گئے۔ اس جگہ یہ بات قابل ذکر ہے کہ جس طرح اقبال نے اپنی دو خوبصورت نظمیں "ایک شام" اور "تنہائی" جرمنی میں کہیں، اسی طرح عاکف نے بھی اپنی ایک شاہکار نظم "برلن خاطرہ لری" جرمنی میں لکھی۔

۱۹۱۸ء میں جب استانبول پر اتحادیوں کا عارضی قبضہ ہو گیا تو عاکف ایشیائے کوچک آ گئے اور اپنی تقریروں اور تحریروں سے تحریک آزادی جاری رکھنے کے لئے ترکوں کی حوصلہ افزائی کی اپنی اس مختصر سیاسی زندگی کے دوران وہ آزاد ترکی کی قومی مجلس قانون ساز کے رکن بھی منتخب ہوئے۔ یہاں بھی اقبال اور عاکف میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ اقبال نے بھی برّصغیر کے مسلمانوں کی آزادی کی تحریک کے ایک نازک مرحلہ پر سیاسی زندگی میں حصّہ لیا تھا اور وہ مختصر مدّت کے لئے پنجاب اسمبلی کے رکن بھی منتخب ہوئے تھے۔

تحریکِ آزادی کے اس دور میں عاکف نے ترکی کا غیر فانی قومی ترانہ لکھا جسے قومی سطح پر ایک مقابلہ کے بعد جس میں ۷۲۴ شعراء نے حصّہ لیا تھا، قومی اسمبلی نے مارچ ۱۹۲۱ء میں سب سے اچھا ترانہ قرار دے کر سرکاری طور پر ترکی کا قومی ترانہ قرار دیا۔ اس ترانے کے دو بند یہ ہیں:

۱۔ مغرب نے اپنے گرد فولادی حصار بنا لیا ہے، لیکن میرا حصار وہ سینہ ہے جو ایمان سے پُر ہے۔ میرے وطن خوف نہ کر! کیا بوڑھی ہو جانے والی اس تہذیب کے فرزندان لوگوں کو ختم کر سکتے ہیں، جن کا سینہ نورِ ایمان سے روشن ہے۔

۲۔ اے اللہ! میں اپنی روح کی گہرائیوں سے تیری بارگاہ میں یہ التجا کرتا ہوں کہ ہماری عبادت گاہوں تک نامحرموں کی رسائی نہ ہو اور یہ اذانیں جو تیرے دین کی شہادت دیتی ہیں تا ابد میرے وطن کی فضاؤں میں گونجتی رہیں۔

اگرچہ اقبال نے پاکستان کا قومی ترانہ نہیں لکھا کیونکہ وہ قیامِ پاکستان سے قبل ہی وفات پا چکے تھے لیکن ان کے "ترانۂ ملّی" کو آج بھی غیر رسمی طور پر ترانہ کی حیثیت حاصل ہے اور

تحریک پاکستان کے زمانے میں اس ترانہ کو مسلمان بچے گھر گھر گاتے پھرتے تھے اور مسلمانوں کے سیاسی جلسوں اور سماجی تقریبوں میں اسے باضابطہ طور پر گایا جاتا تھا۔

۱۹۲۶ء میں عاکف بعض سیاسی وجوہ سے ترک وطن کر کے مصر چلے گئے جہاں وہ جامعہ فواذ میں ترکی زبان کے پروفیسر کی حیثیت سے کام کرتے رہے اور وفات سے صرف چھ ماہ قبل واپس وطن آئے، جہاں ۲۷ دسمبر ۱۹۳۶ء کو ان کا انتقال ہوگیا۔

قطع نظر اس مشابہت کے کہ اقبال نے بھی عاکف کی طرح کچھ مدّت کے لئے درس و تدریس کے پیشہ کو اپنایا تھا اس جگہ یہ بات قابل توجہ ہے کہ اقبال مغربی لباس یعنی کوٹ پتلون اور ٹائی کو پسند نہیں کرتے تھے اور اگرچہ مجبوری کے تحت وہ کبھی کبھی یہ لباس پہن لیا کرتے تھے لیکن وہ ان کے لئے بوجھ بنا رہتا تھا۔ عاکف کی بھی کچھ ایسی ہی کیفیت تھی، انھوں نے بھی ہیٹ کبھی نہیں پہنا اور وہ اس کو اس حد تک ناپسند کرتے تھے کہ بعض روایات کے مطابق انھوں نے ترک وطن ہی اس لئے کیا تھا کہ ترکی میں ہیٹ پہننا لازمی قرار دے دیا گیا تھا۔

جس طرح بھوپال کے نواب حمید اللہ خان اور راس مسعود کو اقبال سے تعلق تھا اسی طرح سعید حلیم پاشا اور ان کے بھائی عباس حلیم پاشا عاکف کے دوست اور سرپرست تھے۔ خصوصاً مصر میں قیام کے زمانہ میں عباس حلیم پاشا ان کے لئے بہت بڑا سہارا تھے اور ان کی صاحبزادی، عاکف کا اس طرح خیال رکھتی تھیں جس طرح ایک بیٹی اپنے باپ کا خیال رکھتی ہے۔

اقبال کے برعکس فلسفہ عاکف کا موضوع نہیں تھا، لیکن اقبال کی طرح عاکف کا دینی اور ادبی مطالعہ بہت وسیع تھا اور مشرق و مغرب کے ادب پر ان کو یکساں عبور حاصل تھا۔ عاکف کی تربیت اقبال کی طرح ایک ایسے ماحول میں ہوئی تھی جس میں دینی اثرات گہرے تھے وہ خود کہتے ہیں کہ "میری دینی تربیت میں گھر، مدرسہ اور محلہ سب کا اثر ہے۔ میری والدہ بڑی عابد اور زاہد خاتون تھیں۔ یہی صورت میرے والد کی تھی۔ دونوں میں دینی صلابت پائی جاتی تھی اور وہ عبادت کے وجد، ذوق اور شوق سے لذت یاب تھے۔ علم بیطار کے مدرسہ کی اکثریت ڈاکٹر تھی اور وہ لوگ اپنے پیشہ میں ماہر ہونے کے ساتھ دینی عقائد میں پختہ تھے۔ ان حضرات کی تلقین بھی میری دینی تربیت پر اثر انداز ہوئی۔"[۲]

بیطاری کا امتحان عاکف نے درجہ اوّل میں پاس کیا۔ اعلیٰ تعلیم ختم کرنے کے بعد انھوں نے جلد ہی قرآن حفظ کر لیا۔ وہ کہتے ہیں کہ "قرآن کی تلاوت کرتے کرتے اتنی روانی پیدا ہو گئی تھی کہ مجھ میں اور باقاعدہ حافظ میں زیادہ فرق نہیں رہا تھا۔ اس کی وجہ سے میں نے مختصر مدّت میں قرآن حفظ کر لیا۔"[۳]

عاکف کو زبانوں سے خاص دلچسپی تھی، مدرسہ میں زبان کے سب سے اچھے طالب علم تھے۔ ترکی، عربی اور فارسی میں ہمیشہ اوّل آتے تھے۔ بعد میں انھوں نے فرانسیسی زبان بھی سیکھ لی۔ وہ چاروں زبانوں میں نہ صرف روانی سے گفتگو کر سکتے تھے بلکہ ان کے ادب کا بھی وسیع مطالعہ کیا تھا۔ جس طرح گوئٹے اور شیکسپیئر اقبال کے پسندیدہ شاعر تھے، اسی طرح ہیوگو، لامارتن، دودے اور زولا عاکف کے پسندیدہ شاعر اور مصنف تھے۔ اقبال کی طرح عاکف بھی رومی سے عقیدت رکھتے تھے لیکن عاکف سب سے زیادہ متاثر سعدی سے تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "مشرق و مغرب کے کلاسیکی ادب کا میں نے جتنا مطالعہ کیا ہے اس میں سعدی کے برابر مجھے کسی نے متاثر نہیں کیا۔"

شاعری سے عاکف کو زمانہ طالب علمی ہی سے دلچسپی تھی اور ۱۸۹۶ء سے رسالوں میں ان کا کلام شائع ہونا شروع ہو گیا تھا۔ لیکن ان کی شاعری کا اصل دور ۱۹۰۸ء سے شروع ہوتا ہے۔ ان کی کتاب "صفحات" کا پہلا حصہ ۱۹۰۸ء تا ۱۹۱۱ء کے زمانہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اقبال کی حقیقی شاعری بھی تقریباً اسی زمانے میں شروع ہوئی۔

اقبال کے بارے میں ہمیں معلوم ہے کہ شعر کہتے وقت ان پر ایک خاص کیفیت طاری ہو جاتی تھی جو ان کے خلوص اور احساس کی شدت کا ثبوت ہے۔ یہی کیفیت عاکف پر بھی طاری ہوتی تھی۔ وہ جب شعر کہتے یا پڑھتے تھے تو پسینے سے شرابور ہو جاتے تھے۔[۴]

اقبال اور عاکف کے ظاہری حالات میں مماثلت کے اس بیان کے بعد اب ہم ان دونوں عظیم شاعروں کے درمیان پائی جانے والی فکری ہم آہنگی کا جائزہ لیتے ہیں۔ عاکف کی نظموں کے موضوعات مختلف ہیں۔ انھوں نے مسلمانوں خصوصاً ترکوں کی سیاسی اور معاشرتی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ لیکن موضوع خواہ کوئی ہو، ان کے سوچنے اور غور کرنے کا انداز اقبال کی طرح ایک باشعور مسلمان کا انداز ہے۔ وہ ہر چیز کا تجزیہ اسلام کے بتائے ہوئے معیار کے مطابق کرتے ہیں۔ انھوں نے اقبال کی طرح بعض نظمیں تاریخی واقعات پر بھی لکھی ہیں جیسے حضرت عمرؓ

اور بڑھیا اور جنگ یرموک کا واقعہ۔ اقبال ہی کی طرح انھوں نے بعض تاریخی عمارتوں کو بھی اپنا موضوع بنایا ہے جیسے جامع فاتح، ینی جامع اور جامع سلیمانیہ۔ جامعہ فاتح کے متعلق وہ اپنی نظم میں کہتے ہیں:

"جس زمانہ میں الحاد کے اٹھائے ہوئے باطل خیالات سے روئے زمین معمور تھی اس حیرت انگیز عبادت گاہ نے وقت کے پردوں کو چیر کر اپنا سر بلند کیا۔ ضلالت اور گمراہی عہد ماضی میں سیاہ رنگ اور تیرہ و تار بادلوں کی طرح ذرا دیر بھی رکے بغیر اس مسجد کے سامنے سے دور بھاگتی رہی۔"

ینی جامع کے بارے میں وہ کہتے ہیں:

"یہ مسجد فن تعمیر کا ایسا شاہکار ہے جس میں صبح صادق کا تمام حسن، توانائی اور امید مرکوز ہوگئی ہے۔ یہ سمندر کے عطا کردہ نور جاوداں کی ایک مسکراہٹ ہے۔"

اقبال نے جس طرح طغرل و سنجر، محمود و ایاز اور جلید و بایزید کا ذکر عظمتِ رفتہ کے نمائندوں کی حیثیت سے کیا ہے، عاکف نے بھی صلاح الدّین، عثمان خان، اورخان، فاتح اور سلیم کا ذکر اسی انداز میں کیا ہے۔

اقبال کی طرح عاکف کو بھی قرآن سے گہری دلچسپی تھی۔ ان کی متعدد نظموں کا عنوان قرآنی آیات یا احادیث رسولؐ ہیں۔ یہ نظمیں دراصل آیات اور احادیث کی تفسیر اور تشریح ہیں۔ ان سے عاکف کے طرز فکر کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً چند نظموں کے عنوانات یہ ہیں:

- ولا تحملنا مالا طاقة لنا
- یاایها الذین آمنوا اتقوا الله حق تقاته۔
- ومن اصبح لایهتم بالمسلمین فلیس منهم
- من کان فی هذه اعمیٰ فهو فی الآخرة اعمیٰ واضل سبیلا۔
- قل اللهم مالك الملك تؤتی الملك من تشاء..... الخ
- لیس للانسان الا ما سعیٰ۔

قرآنی آیات اور احادیث کی یہ منظوم تشریح، خشک تشریح و تفسیر نہیں ہے بلکہ جس طرح مولانا روم نے مثنوی میں قرآن کی تفسیر کی ہے اور اپنی کتاب کو فارسی شاعری کا شاہکار بنا دیا ہے

بالکل اسی طرح عاکف نے بھی آیات اور احادیث کی شرح میں شاعرانہ کمال کا مظاہرہ کیا ہے۔ ڈاکٹر علی نہاد تارلان لکھتے ہیں :

" ان کے کلام میں قوت اور خلوص کی صفات نمایاں ہیں۔ ایک ایسے اسلوب کے ساتھ جس میں کسی قسم کا نقص نہیں تھا۔ عاکف نے اپنے جذبات کو ایسے سہل اور فطری انداز میں شعر کے قالب میں ڈھالا جس کی مثال پہلے کہیں نہیں ملتی۔ اس بے نظیر فن کار کا فن اس قدر پختہ ہے کہ وہ قاری کو فنی تقلید سے مکمّل بے نیازی کا تاثر دیتا ہے"۔[۵]

انیسویں صدی میں مغربی افکار کی در آمد کے ساتھ باقی اسلامی دنیا کی طرح ترکی میں بھی اہل علم و فکر دو حصّوں میں بٹ گئے تھے۔ ایک گروہ مغربی افکار اور مغربی تہذیب کو اپنانا چاہتا تھا اور دوسرا ہر چیز کو اسلامی معیار پر جانچنے اور پرکھنے کا قائل تھا۔ بیسویں صدی کے آغاز میں یہ کشمکش زیادہ زور پکڑ گئی۔ اسلام اور مغرب کی اس کشمکش میں عاکف نے اسلام کا درد رکھنے والوں کا ساتھ دیا اور اپنی تحریروں، تقریروں اور سب سے زیادہ اپنی شاعری کے ذریعے ان میں ایک نیا ولولہ پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اقبال کی طرح عاکف بھی اسلامی اصولوں کو ابدی سمجھتے تھے اور مسلمانوں کی زندگی کے پورے ڈھانچے کو ان اصولوں پر استوار کرنا چاہتے تھے۔ وہ مسلمانوں کے ماضی کو حقارت سے نہیں بلکہ قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے کیونکہ یہ ماضی مسلمانوں کی عظمت رفتہ کا آئینہ دار ہے۔ عاکف چاہتے تھے کہ مسلمان اپنی گمشدہ عظمت پھر حاصل کر لیں۔

مشہور نو مسلم عالم عبدالکریم جرمانوس لکھتے ہیں :

" عاکف نے کمال جسارت سے اور علی الاعلان اپنے اشعار میں ترکوں کے زوال کا ماتم کیا ہے اور اس کی وجہ احکامِ اسلام سے بیگانگی اور سچے ایمان سے انحراف کو قرار دیا ہے۔ اگرچہ ان کے دلائل نقار خانہ میں طوطی کی صدا ثابت ہوئے۔ تاہم ان کی شاعری نے قارئین کے قلوب کو ضرور مسخر اور مسحور کیا"۔[۶]

عاکف کہتے ہیں کہ "میرے نزدیک دو چیزیں مقدس ہیں۔ دین اور زبان۔ دین انسانوں کو پاک احساسات اور افکار کی تلقین کرتا ہے اور زبان ان احساسات اور خیالات کی ممکن حد تک تبلیغ کرتی ہے"۔

عاکف ان لوگوں پر سخت تنقید کرتے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کا بیسویں صدی کے علوم سے مطابقت پیدا کرنا ممکن نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ "خود ان لوگوں کو جدید علوم سے کوئی واقفیت نہیں ہے اور ان لوگوں نے مغرب سے صرف اس کی کمزوریوں اور جنسی لذتوں کو لیا ہے اور اس کے علم و ہنر کو چھوڑ دیا ہے۔"

ایک اور جگہ وہ کہتے ہیں:

(۱) "اگر کسی دن دین کا منبع خشک ہو جائے تو نہ احساس باقی رہے گا اور نہ ہی زندگی باقی رہے گی۔ جماعت کی بقا کا انحصار دین کی بقا پر ہے۔"

(۲) "صرف دینِ اسلام، دینِ شجاعت اور دینِ عزت ہے۔ حقیقی اسلام بہادری کی ایک سب سے بڑی داستان ہے۔"

عاکف پر ان کے ہمعصروں نے رجعت پسندی کا الزام لگایا اور ان کو مذہبی دیوانگی سے متہم کیا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ترکی میں کچھ مخصوص اسباب کی وجہ سے مغربی افکار کو غلبہ حاصل ہو گیا تھا اور عاکف کے افکار کو وہ غلبہ حاصل نہ ہو سکا جو اقبال کے افکار کو برصغیر کے مخصوص حالات کی وجہ سے یہاں کے مسلمانوں میں حاصل ہوا۔

زمانۂ حال کے کئی ممتاز ترک مصنفوں نے جن میں ڈاکٹر علی نہاد تارلان، فوزیہ عبداللہ تنسں اور احمد کبکلی کے نام نمایاں ہیں اس خیال کی سختی سے تردید کی ہے کہ عاکف رجعت پسند تھے یا ان میں مذہبی دیوانگی کا شائبہ تھا۔

علی نہاد تارلان لکھتے ہیں کہ:

"عاکف نے اسلام کو تعقل پسند مذہب کی حیثیت سے قبول کیا تھا۔ چونکہ انہیں عقل پر اعتماد تھا اس لئے وہ عقل کو اللہ اور آدمی کے مابین واحد رابطہ سمجھتے تھے۔ مغربی علوم اور اثباتی سائنس سے واقف ہونے کے باعث ان کے خیالات کی بنیاد منضبط منطق پر تھی۔ عقلیت پسند فلسفے کے باریک نکات کو جو بظاہر اسلام سے متصادم نظر آتے ہیں، انھوں نے حل کر لیا تھا۔ ان کا عقیدہ اس قدر غیر متزلزل تھا کہ انہیں عقیدۂ مجسم خیال کرنا چاہیئے۔" ؎

عاکف نے اقبال کی خودی کی طرح کا کوئی فلسفیانہ نظریہ تو پیش نہیں کیا لیکن اقبال کی طرح

انھوں نے بھی عظمتِ آدم کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔ اپنی ایک نظم "انسان" میں وہ کہتے ہیں:

"انسان اپنی قدر نہیں پہچانتا، وہ تو فرشتوں سے بھی بلند ہے۔ اس کے سینہ میں علم پنہاں ہے، اس کے قلب پر وجود باری اپنا پرتو ڈالتا ہے۔ جسمانی حیثیت سے دیکھو تو ایک ذرا سی چیز ہے، لیکن کارسازیٔ الٰہی کا مقصد یہی ہے اور اسی لئے ابدی ہے اور بے قید قدرت اس کی خادمہ ہے، عالم اس کا باجگذار ہے، دنیا اس کی مرضی اور اس کے آئین کی فرمانبردار ہے، یہ کائنات کا تاج ہے۔"

عاکف نے اقبال کی طرح سعی وعمل کا پیغام دیا ہے۔ انھوں نے ایسی تقدیر پرستی کی مخالفت کی ہے جو انسان میں بے عملی پیدا کرتی ہے۔ ان کے کلام سے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں جن میں اقبال کی جھلک نمایاں ہے۔

(۱) جو شخص بقا کو اپنا حق جانتا ہے وہ خود کو سعی وعمل کا بھی پابند بنالیتا ہے۔ کوشش کرو اور محنت کرو کہ بقا کا حق صرف سعی وعمل سے حاصل ہوتا ہے۔

(۲) یہاں تو نے کیا بویا ہے کہ آخرت میں اسے کاٹنا چاہتا ہے۔

(۳) جدوجہد اور توکل کیا ہی عظیم مسلک ہے۔

(۴) کیا یہ سب ذلتیں تقدیر کا نوشتہ ہیں؟ نہیں! یہ بات درست نہیں، سچ تو یہ ہے کہ تو نے خود ہی مصیبت چاہی اور اللہ نے بھیج دی۔

عاکف محبِّ وطن تھے لیکن اقبال کی طرح مغربی قومیت کے سیاسی نظریہ کے خلاف اور اتحادِ اسلامی کے علمبردار تھے۔ اقبال وطنیت کو مذہب کا کفن سمجھتے تھے اور عاکف وطنیت کو شیطانی تصور خیال کرتے تھے۔ اپنی ایک نظم میں انھوں نے البانوی اور عرب قوم پرستوں کو جو خلافتِ عثمانیہ سے الگ ہونا چاہتے تھے اس طرح مخاطب کیا ہے:

"علیحدگی کا خیال تمہارے دلوں میں کیسے پیدا ہوا؟ کیا نظریۂ قومیت کو شیطان نے تمہارے دلوں میں ڈال دیا ہے۔ ان تمام اقوام کو ایک ہی ملّت کے جھنڈے کے نیچے اکٹھا کرنے والے اسلام کو جڑ بنیاد سے اکھاڑنے والا زلزلہ قومیت ہے۔ اس حقیقت کو ایک لحظ کے لئے

بھی بھول جانے کا نتیجہ ابدی محرومی ہے ۔عربیت اور البانوی تعصب کے ساتھ یہ ملت آگے نہیں بڑھ سکتی۔"

ایک اور جگہ کہتے ہیں :

"کیا تجھے معلوم نہیں کہ تیری قومیت اسلام ہے۔ یہ قومیت (قوم پرستی) کیا ہے ؟ کیا تو اپنی ملت سے کٹ کر استحکام اور مضبوطی کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتا ہے ؟ کیا عرب کو کُرد پر، لاز (LAZ) کو جرکس پر اور ایرانی کو چینی پر کوئی ترجیح دی گئی ہے۔ کیا اتحاد اسلامی میں جداگانہ عناصر کا جواز ہے۔ ہرگز نہیں ۔پیغمبر اسلام تصوّر قومیت پر لعنت بھیجتے تھے ۔"

ترک ادیب فاخرایز اتحاد اسلام کے بارے میں عاکف کے نظریہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"عاکف ممالک اسلامیہ کی جدید تحریکات سے دلچسپی رکھتے تھے اور ۱۹۱۱ء سے وہ تحریک وحدت اسلامی کے بڑے سرگرم رکن بن گئے تھے ۔ انھوں نے مصر، عرب اور لبنان کے سفر کئے ان کے خیال میں ترکی دنیائے اسلام کا اٹوٹ حصہ تھا اور ان کی تمنا تھی کہ جدید ترکی اسلام کے زیر اثر رہے ۔ پہلی جنگِ عظیم کے نتائج نے جس کا اختتام سلطنتِ عثمانیہ کی شکست پر ہوا ان کے اس خواب کو درہم برہم کردیا۔ مگر یہ بات ان کے اعلیٰ نظریات کو متزلزل نہ کرسکی۔"

عاکف بھی اقبال کی طرح اسلامی دنیا کے مصائب اور اس کی زبوں حالی سے بہت متاثر اور دل گرفتہ تھے ۔اقبال نے اپنے جذبات کا اظہار اس طرح کیا ہے :

آگ ہے اولاد ابراہیم ہے نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے

یا

ہوگیا مانندِ آب ارزاں مسلماں کا لہو

اقبال نے جس صورتِ حال کا ماتم کیا ہے عاکف کا وطن اس کا براہ راست شکار تھا۔ اس لئے یہ کیسے ممکن تھا کہ عاکف کے دل پر چوٹ نہ لگتی۔ چنانچہ انھوں نے اسلامی دنیا کے مصائب خصوصاً ترکی کے مصائب پر جو نظمیں لکھی ہیں وہ سوز اور درد میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ چند

مثالیں ملاحظہ کیجئے:

(۱) خدا سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں:

"مصائب زمانہ روحِ اسلام کو نچوڑ رہے ہیں اور اسے فنا کر دیں گے۔ اگر تو واقعی ظالموں کو سزا دینا چاہتا ہے تو کیا تمام مظلوم بھی ان کے ساتھ ان کی آگ میں جل جائیں۔ خدایا ہم بلیشتر بے گناہ ہیں، ہمیں آتشِ غضب میں نہ جلا۔"

(۲) "صرف یہ بچا ہوا ملک (ترکی) ہمارے دین کی آخری پناہ گاہ ہے، اگر یہ بھی تباہ ہو گیا تو یہ اندیشہ بے جا نہ ہوگا کہ شرع مبین تباہ ہو جائے گی۔ خدایا شرع مبین کو ذلیل و خوار نہ کر۔"

(۳) "اے مشرق کے ملکو! کیا یہاں کبھی کوئی ایسا مقام بھی ہوگا جہاں تمہارے بچوں کو کچھ سکون میسّر آسکے؟ ایک تباہی کے بعد دوسری تباہی آتی ہے۔ کیا تمہارے چمن میں کبھی آزادی کی نسیم سحر بھی چلے گی۔"

(۴) ایک اور نظم میں عثمانی سلاطین عثمان خان، اورخان، یلدرم، سلیم اور سلیمان کو باری باری یاد کر کے کہتے ہیں:

"وہ سوار کہاں ہیں جو شاہین کی طرح جھپٹتے تھے۔۔۔ آج ان میں سے کوئی بھی نہیں۔ سب افسانہ سب جھوٹ ہے اور اگر کچھ حقیقت ہے تو وہ دلوں کا ایسا زخم ہے جو کبھی مندمل نہیں ہو سکے گا۔"

(۵) "بلبل" عاکف کی ایک شاہکار نظم ہے۔ یہ اس وقت لکھی گئی تھی جب یونانی فوجوں نے ترکی کے مشہور تاریخی شہر بروصہ پر حملہ کیا تھا۔ عاکف شام کو ٹہلنے نکلتے ہیں کہ بلبل کا نالۂ درد انگیز ان کے کانوں تک پہنچتا ہے۔ اس کو سن کر شاعر کے دل میں ہلچل پیدا ہو جاتی ہے اور وہ بلبل کو مخاطب کر کے کہتا ہے:

"اے بلبل! تیری یہ قیامت خیز فریاد کس لئے۔ تیرا ایک آشیانہ ہے۔ وہ بہار جس کے انتظار میں تو تھا وہ تجھے حاصل ہے۔"

اس کے بعد شاعر کہتا ہے کہ "ماتم کا حق تو صرف مجھے حاصل ہے۔ کیونکہ میں ایک خانہ بدوش ہوں۔ جس کا اپنے ملک میں بھی کوئی گھر نہیں ہے۔ عثمانی سلاطین کے مزارات کو یونانی پامال کر رہے ہیں۔ حرمِ اسلام میں نامحرم گھوم رہے ہیں۔ ماتم میرا حق ہے۔ اے بلبل خاموش! تجھے ماتم کرنے کا حق نہیں ہے۔"

(۶) "عاصم" عاکف کی ایک طویل نظم ہے اور وہ دانیال کی جنگ سے متعلق ہے۔ یہ ترکی زبان کی مقبول ترین اور لافانی نظموں میں شمار کی جاتی ہے۔ عاصم جس کے عنوان سے یہ نظم لکھی گئی ہے ایک مضبوط کردار کا جوان ہے اور بیسویں صدی کے مثالی نوجوانوں کا ایک نمونہ ہے۔ دراصل عاصم اقبال کا جاوید ہے۔ اس نظم میں عاکف کہتے ہیں:

"ذرا پہاڑوں اور چٹانوں کو دیکھو، ہر جگہ شہیدوں کی لاشیں ہی لاشیں ہیں۔

وہ سر جو رکوع و سجود کے علاوہ کبھی جھکنا نہیں جانتے تھے، آج پیشانی پر زخم کھا کر زمین پر اوندھے پڑے ہوتے ہیں۔

خدایا ایک ہلال کی خاطر کتنے آفتاب غروب ہو گئے۔

اے جانباز سپاہی تو زمین (وطن) کی خاطر زمین پر پڑا ہوا ہے۔ لیکن تو اس قابل ہے کہ تیرے اجداد آسمان سے اُتر کر تیری پیشانی کو چوم لیں۔

تو کتنا عظیم ہے کہ تو نے اپنا خون دے کر توحید کی حفاظت کی۔ یہ شان تو صرف بدر کے شیروں میں نظر آتی تھی۔

تو قبر کی تنگی میں کیا سمائے گا۔ آ تجھے تاریخ کی پہنائیوں میں دفن کر دوں۔ لیکن تُو تو وہاں بھی نہیں سما سکے گا۔"

حضورؐ کی ذات سے محبت اقبال کے کلام کی ایک نمایاں خصوصیت ہے۔ عاکف میں بھی یہ خصوصیت نمایاں ہے۔ ان کی پانچویں کتاب "خاطرہ لر" کی نظم صحرائے نجد سے مدینہ تک اس موضوع پر سب سے اہم نظم ہے۔ ترک ادیبوں نے اس نظم کے شاعرانہ کمالات کی دل کھول کر تعریف کی ہے۔ ڈاکٹر علی نہاد تارلان لکھتے ہیں:[۴]

"اسلامی ادبیات میں اس نظم سے زیادہ شاید ہی کوئی اور نظم دین اور رسول مقبولؐ سے عقیدت پیدا کرنے والی ہو گی۔"

سلیمان نظیفؔ[۹] لکھتے ہیں:

"مشرق و مغرب کی ان زبانوں میں جنہیں میں جانتا ہوں میں اس موضوع پر کسی ایسی نظم سے واقف نہیں جو افضلیت کی اس بلندی پر ہو۔ صرف عاکف جیسی شاعرانہ قوت کا مالک ہونا ہی

ایسے شاہکار کی تکمیل کے لئے کافی نہیں بلکہ عاکف جیسا مذہبی جوش رکھنا بھی ضروری ہے۔ یہاں شاعر نے عقیدت اور محبت کو کاغذ پر بکھیر دیا ہے، لیکن ان کی زبان کی بلاغت اور حُسن سے لطف اندوز ہونے کے لئے ترکی پر مکمل قدرت کی بھی ضرورت ہے۔"

اقبال اور عاکف کے افکار میں مذکورہ بالا موضوعات کے علاوہ اور بھی بہت سے موضوعات میں یکسانیت اور مشابہت پائی جاتی ہے۔ مُلاّ، پردہ، جدید ادب، استبداد وغیرہ کے موضوع پر دونوں شاعروں کے سوچنے کا انداز ایک ہی ہے، لیکن اس مختصر مضمون میں ان سب کا احاطہ کرنے کی گنجائش نہیں۔

آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اقبال سے عاکف کی واقفیت کے موضوع پر بھی کچھ روشنی ڈالی جائے:

جیساکہ شروع میں بتایا جاچکا ہے میری معلومات کی حد تک اقبال اپنے اس ہم مشرب اور ہم خیال ترک شاعر سے واقف نہیں تھے۔ لیکن اس کے برعکس عاکف اقبال سے اچھی طرح واقف تھے اور ان کے فارسی کلام کا نہ صرف مطالعہ کرچکے تھے بلکہ انھوں نے پیغامِ اقبال کو متعارف کرانے میں حصہ بھی لیا۔ کم از کم عربی میں کلام اقبال کے ممتاز مترجم اور شارح عبدالوہاب عزام بے کو انھوں نے ہی اقبال سے متعارف کرایا۔

فوزیہ عبداللہ تنسل کے مطابق عاکف سب سے پہلے انقرہ میں، جہاں جنگ استقلال کے زمانے میں ان کا قیام تھا، اقبال کے نام اور کلام سے واقف ہوئے۔ یہ تعارف اقبال کے کسی کتابچہ سے ہوا (مصنف نے ترکی لفظ "رسالہ" استعمال کیا ہے) جسے کسی نے سبیل الرشاد کے دفتر میں پہنچایا تھا۔ اس کتابچہ کو پڑھ کر (جس کا نام نہیں معلوم ہوسکا) عاکف نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ ان کے اور اقبال کے کلام میں مشابہت پائی جاتی ہے۔[۱۰]

۸ مارچ ۱۹۲۳ء کے اپنے ایک خط میں اقبال سے متعلق وہ اپنے تاثرات کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

"اقبال ایک ایسے حقیقت نگار شاعر ہیں جنہوں نے مشرق کے صوفی شعراء کا کلام پڑھنے کے ساتھ جرمنی جاکر مغربی فلسفہ کو بھی اچھی طرح ہضم کرلیا ہے۔ فی الحقیقت ہندوستان کے

مسلمانوں میں ایسا کوئی شخص نہ ملے گا جو اُن کے نام سے واقف نہ ہو اور جس کو ان کے اشعار یاد نہ ہوں۔ ان کو عربی زبان پر بھی قدرت ہے۔ ان کا علم، عرفان اور شاعرانہ قدرت میری طرح نہیں بلکہ مجھ سے بہت زیادہ ہے، لیکن فارسی زبان پر ان کی قدرت اس سے کسی قدر کم ہے جتنی مجھ کو ترکی زبان پر حاصل ہے۔ اگر ان حضرت کا اسلوب بھی نیا ہوتا تو فارسی ادبیات میں قیامت ڈھادیتے۔"[۱۱]

معلوم ہوتا ہے کہ اقبال کے کلام کا زیادہ تفصیل سے مطالعہ کرنے کا موقع عاکف کو مصر کے قیام کے زمانے میں ملا۔ یہاں کسی نے ان کو اقبال کی دو کتابیں بھیجی تھیں جن میں ایک پیامِ مشرق تھی۔ عاکف نے گولگہ لر (سائے) میں جو صفحات کے سلسلے کی ساتویں کتاب ہے اور پہلی مرتبہ ۱۹۳۳ء میں قاہرہ سے شائع ہوئی، ایک نظم کے اندر اقبال کے ایک شعر کا ترکی ترجمہ بھی دیا ہے۔ میں اقبال کے اصل شعر کو معلوم نہ کر سکا لیکن ترکی ترجمہ کا مفہوم یہ ہے:

"میرے نغموں پر ترنم کا گمان نہ کیا جائے یہ میرے دل کی آواز ہے جس نے لوگوں کے دلوں میں ہیجان برپا کر دیا ہے۔"[۱۲]

اب رہا یہ سوال کہ عاکف نے اقبال کے کلام کو دنیائے عرب میں کس طرح متعارف کرایا، اس کی کہانی خود عبدالوہاب عزام بے کی زبانی سنیئے۔ عزام بے لکھتے ہیں:

"میرے خیال میں اقبال کے بارے میں میری ان منتشر معلومات میں اس وقت تک اضافہ نہیں ہوا جب تک کہ میری ملاقات میرے شاعر دوست محمد عاکف مرحوم سے نہ ہوئی۔ وہ میرے دوست، رفیق اور مونس تھے۔ اور ہماری رہائش گاہ حلوان کے علاوہ جامعہ قاہرہ میں بھی میرے ساتھی تھے۔ ایک روز انھوں نے مجھے اقبال کا ایک دیوان پیامِ مشرق دکھایا۔ میں نے اس سے قبل اقبال کا کوئی شعر نہ کم نہ زیادہ نہ پڑھا تھا اور نہ سنا تھا۔

محمد عاکف نے بتلایا کہ ایک دوست نے جو اُن دنوں غالباً افغانستان میں ترکی کے سفیر تھے یہ کتاب انھیں بھیجی ہے۔ ہم دونوں نے اس دیوان کو پڑھنا شروع کیا۔ اس کے اشعار اور افکار ہم کو بہت ہی پسند آئے۔ ہم اس گلشن میں گھومتے پھرتے تھے جو روح اور نگاہوں کو بار بار اپنی چمک اور پھولوں کی طرف متوجہ کرتا تھا اور جو رنگ رنگ کے پھولوں، طرح طرح کے نمونوں، رونق اور خوبصورتی کا سنگم تھا۔

اب میں نے اقبال کو براہ راست ان کے کلام کے ذریعہ پہچانا۔ لیکن یہ علم صرف ایسا تھا کہ جیسا کسی بھی ایسے شخص کا ہو سکتا ہے، جس نے بہت تھوڑا سا پڑھا ہو۔ میں ان کی مخصوص عبا بنوں سے بے خبر، ان کے رموز سے نا آشنا، ان کے فلسفہ اور افکار سے کافی حد تک بے بہرہ ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی دعوت اور مقصد سے بھی کچھ زیادہ واقفیت نہ رکھتا تھا۔

پیامِ مشرق کا یہ نسخہ جو دوست محمد عاکف نے مجھے دیا تھا اب تک میرے پاس ہے۔ اس پر ان تمام مقامات پر نشانات لگے ہوئے ہیں جن کو ہم نے پسند کیا تھا یا بقول فرزدق "مقامات سجدہ" پر۔[۱۳] یہ نسخہ میرے پاس پیامِ مشرق کے ذریعے اقبال سے پہلی ملاقات کی یادگار ہونے کے ساتھ ساتھ شاعر اسلام محمد عاکف کی بھی یادگار ہے"۔[۱۴]

اس جگہ تعجب کی بات یہ ہے کہ اقبال جب لندن میں گول میز کانفرنس سے واپسی پر دسمبر ۱۹۳۱ء میں فلسطین سے متعلق موتمر عالم اسلامی میں شرکت کے لئے بیت المقدس گئے تھے تو یکم دسمبر سے ۵ دسمبر تک ان کا قیام قاہرہ میں بھی رہا تھا جہاں عاکف موجود تھے، لیکن ان دونوں میں ملاقات نہ ہو سکی۔[۱۵] اقبال تو خیر عاکف سے ناواقف تھے لیکن عاکف تو اقبال سے واقف تھے، انھوں نے کیوں ملاقات نہ کی۔ اس کی ایک ہی وجہ سمجھ میں آتی ہے۔ شاید عاکف نے ابھی تک اقبال کا تفصیلی مطالعہ نہیں کیا تھا۔ اور "پیامِ مشرق" اس وقت تک ان کو موصول نہیں ہوئی ہوگی۔ یہی وجہ ہوگی جو عبدالوہاب عزام بے بھی اس موقع پر اقبال سے نہ مل سکے حالانکہ مصر کے متعدد اہل علم اور اہل فکر اقبال سے ملے تھے۔ یہ بات کہ "گولگلر" کی وہ نظم جس میں اقبال کے ایک شعر کا ترکی ترجمہ دیا گیا ہے، ۲۲ اگست کو یعنی اقبال کے دورۂ مصر کے ایک سال آٹھ ماہ بعد لکھی گئی اس خیال کی تائید کرتی ہے۔

عاکف پر ترکی میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اشرف ادیب، مدحت جمال قونتائی، فوزیہ عبداللہ تنسل، ڈاکٹر فاروق تیمورتاش، احمد کبکلی (KABAKLI) اور عمر رضا دوغرل جیسے اہل علم حضرات نے عاکف کے حالات بھی تفصیل سے لکھے ہیں اور ان کی تحریروں کو بھی جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اس سلسلے میں اب بھی بہت کچھ تحقیق کی گنجائش ہے۔ خصوصاً عاکف کی نثری تحریروں سے جن کا بیشتر حصہ ابھی تک رسالوں اور اخباروں کی فائلوں سے باہر نہیں آیا

ہے اوران کے مکتوبات سے کماحقہ، فائدہ نہیں اٹھایا گیا ہے۔ ممکن ہے متعلقہ چیزوں کے مکمل جائزہ کے بعد اقبال اور عاکف کے باہمی تعلق کے بارے میں مزید حقائق پر روشنی پڑ سکے۔ آخر میں اس حقیقت کی طرف پھر اشارہ کروں گا کہ اقبال اور رومی کے درمیان اتنی فکری ہم آہنگی نہیں ہے جتنی اقبال اور عاکف کے درمیان ہے۔ یہ دونوں بجا طور پر بیسویں صدی کے سب سے بڑے "شاعر اسلام" ہیں۔

حوالہ جات

[1] نوائے وقت ۲۰ فروری ۱۹۷۵ء

[2] "اسلامی تورک ادبیاتی" از ڈاکٹر نجلا پیکو لجائے، استانبول ۱۹۶۸ء [3] ایضاً

[4] محمد عاکف از علی نہاد تارلان ص ۳۱ اردو ترجمہ مطبوعات علاقائی ثقافتی ادارہ لاہور ۱۹۷۰ء

[5] محمد عاکف (اردو ترجمہ) صفحہ ۱۴۸

[6] ترکوں کی اسلامی خدمات از عبدالکریم جرمانوس ص ۱۲۷ (اورنگ آباد ۱۹۳۰ء)

[7] محمد عاکف از علی نہاد تارلان (اردو ترجمہ) صفحہ ۲۹ [8] ایضاً ص ۱۱

[9] سلیمان نظیف (۱۸۷۰ء تا ۱۹۲۷ء) ممتاز شاعر اور مصنف تھے۔ چھوٹی بڑی تیس کتابوں کے مصنف تھے جن میں ایک کتاب عاکف پر بھی ہے۔

[10] محمد عاکف ارصوی از فوزیہ عبداللہ تنسل ص ۱۲۳ [11] ایضاً [12] "صفحات" ص ۵۱۵

[13] اموی دور کے مشہور شاعر فرزدق نے جب لبید کا ایک شعر سنا تو اس نے فوراً سجدہ کیا۔ لوگوں نے پوچھا یہ سجدہ کیسا؟ فرزدق نے جواب دیا کہ ہم شاعر لوگ اشعار میں آنے والے مقاماتِ سجدہ کو پہچان لیتے ہیں۔ عبدالوہاب عزام مرحوم کا اسی طرف اشارہ ہے۔

[14] محمد اقبال سیرتہ و فلسفتہ و شعرہ از عبدالوہاب عزام (عربی) ص ۴-۵۔ مطبوعہ پاکستان طبع ۱۹۵۴ء

[15] اقبال کے یورپ، مصر اور فلسطین کے اس سفر کی مکمل داستان "سفرنامۂ اقبال" مرتبہ محمد حمزہ فاروقی، کراچی ۱۹۷۳ء میں موجود ہے لیکن اقبال اور عاکف کی ملاقات کا اس میں کوئی اشارہ تک نہیں۔